ناول (تنہا اداس لڑکی) کا اجمالی، موضوعاتی اور کرداری تجزیہ

وقار علی، اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور
ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار، پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور

Abstract:

Syeda Hina proved in her novel (Tanha Udas Larki) that poverty is a curse due to financial crises which create different abnormalities in the society. By the help of main and some other strong characters she proved that the society makes some characters positive and strong while others negative and bad. She also gives message through her novel that the resistance against evil and negative aspects of society can change the scenario into positivity and humanity.

ملخص: سیدہ حنا ایک اہم افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ناول نگار بھی ہیں۔ ان کے ہاں گہرا فلسفہ نہیں بلکہ اپنے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں لکھتی ہیں۔ ان کا موضوع ہمارے معاشرے کی تعلیم یافتہ عورت اور ان کے احساسات و جذبات ہیں۔ ناول تنہا اداس لڑکی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ۔

ناول (تنہا اداس لڑکی) مشرقی فضاؤں میں جنم لینے والی اس روح کی کہانی ہے جو خارجی آلودگیوں کی زد میں آکر پھر بھی اپنی عزت اور تقدس کو زندہ رکھنا چاہتی ہے اور بے تحاشا محرومیوں کے باوصف بھی اپنے ضمیر کو حالات کے جبر کی نذر کرنے سے محفوظ رکھتی ہے۔

یہ ناول اپنی کہانی میں مشرقی اقطاع کے ان المیوں کو اجاگر کرتا ہے جن کی وجہ سے ترقی کی رفتار سست روی کا شکار ہے اور جن کی موجودگی میں ایک خوشحال معاشرے کا خیال دیوانے کا خواب بن جاتا ہے بہر حال ناول کی کہانی نے ایسے رویوں کو بھی اجاگر کیا ہے جن پر مشرقیت اور مقامی تہذیب کی نشوونما کا دارومدار ہے۔ ذیل میں ان کرداروں کے بنیادی وصف کو زیر بحث لایا جائے گا تاکہ ایک طرف ناول کا موضوع اجاگر ہو تو دوسری طرف وہ کردار بھی سامنے آئیں جو ارد گرد

کے ماحول کو بناتے اور بگاڑتے ہیں۔ تاہم اس سے قبل ناول کی کہانی کا ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے تاکہ واقعات اور تجزیہ سرسری اور خلا میں ڈھولتے ہوئے محسوس نہ ہو لیکن پہلے یہ اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔

"ناول وہ نثری کہانی ہے جس میں کسی خاص مقصد کے تحت زندگی اور اس کے متعلقات کی حقیقتوں کی ترجمانی کی جائے"(۱)

"ناول نثر کی صنف ہے جس میں زندگی کے حقیقی واقعات کو تخیل کی مدد سے فرضی کہانی بنا کر پیش کیا گیا ہو اور اس میں تحیر کی خوبصورتی بھی موجود ہو۔ اس میں صرف کرداروں اور واقعات کو پیش نہ کیا گیا ہو بلکہ ان میں موجود پوشیدہ حقائق کو بھی واضح کیا گیا ہو"(۲)

اس ناول کا بنیادی موضوع غربت اور افلاس ہے جس کے سبب معاشرے میں اخلاقی برائیاں جنم لیتی ہیں اس کے پہلو بہ پہلو انسانی رویوں کے منصب اور مقام کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدل جانا بھی موضوع سے منسلک بڑا حوالہ ہے۔ جبکہ برائی کی لت پڑ جانے کے بعد نیکی سے گریز بھی ایک نفسیاتی حوالہ ہے جو ناول میں قدم قدم پر محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً:

"آس پاس کے گھروں میں روز مار پٹائی ہوتی اور چیخم دھاڑ مچتی۔ اکثر اوقات بعض گھروں میں ساس اور بہو بیک وقت اپنے اپنے خاوندوں کے ہاتھوں پٹتی ہوتیں۔ اس ماحول میں اس کے لیے دو ہی راستے تھے، یا تو پاگل ہو جائے یا بے حس بن جائے۔ اگر رضی کا خیال اس کے دل کو سہارا نہ دیئے ہوتا تو وہ یقیناً پاگل ہو جاتی۔ مگر اب اس نے بے حس ہونے ہی میں عافیت سمجھی۔ زندگی اس موڑ پر آ کر اس کے لیے کالی اندھیری رات بن گئی تھی۔ اس نے یہی بہتر سمجھا کہ صبح کا تصور لے کر سو جائے۔ وہ ورق پلٹتی رہی اور سوچتی رہی۔ پر یہ رات کب کٹے گی۔ صبح کب ہو گی"(۳)

غور کیا جائے تو یہ محض ایک گھر کی نہیں بلکہ پورے برصغیر کی ہر گلی محلے کی تصویر ہے جہاں اس قسم کے واقعات روز کا معمول ہیں۔ نفسیاتی لحاظ سے ایسے ماحول میں کسی حساس شخص کا مطمئن رہنا ناممکن ہی ہوتا ہے۔ اس لیے سلیمہ جیسا حساس کردار بے حس ہونے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں دیکھتا۔ لیکن بے حس بننے کے لیے بھی سب سے پہلے اپنی ذات اور ضمیر کو مارنا پڑتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سلیمہ سے پھر بھی رات کٹی نہیں جارہی۔ کیونکہ ابھی اس کی ذات اور ضمیر کی سانسیں باقی ہیں۔

"ہاں اور سنو! تمہاری یہ چہیتی اس کے ساتھ فلم میں جانے کا وعدہ کر چکی ہیں۔ لقمہ توڑتے ہوئے چچا کا ہاتھ رک گیا۔ اس نے گھور کر سلیمہ کی طرف دیکھا اور بڑی مردانہ آواز میں پوچھا۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں میں نے اسے ٹالنے کو کہا تھا۔ اس نے بڑے سرد اور دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ چچا کے تیور ابھی تک کڑے تھے وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ جامی بول پڑا۔ ہاں، ہاں ٹالنے ہی کو کہا ہو گا۔ یہ جا کیسے سکتی ہیں۔ کیوں۔ جا کیوں نہیں سکتیں۔ اس کا بیچ میں بولنا انہیں ناگوار گزرا۔ ان کے پاس دوسرے کپڑے جو نہیں ہیں۔ بات بہت سادا اور سچی تھی۔ لیکن چچا نے اسے طعنہ سمجھا۔ وہ کھانا کھائے بغیر اٹھ گیا اور دادی رات گئے تک بڑبڑاتی رہیں اسے شکر نہیں کرتے کہ سر چھپانے کو جگہ مل گئی ہے۔ پیٹ بھر کر کھانے کو مل رہا ہے۔ ان کو ہری ہری سوجھ رہی ہے۔ چار دن بعد کسی قابل ہو جاؤ گے تو دیکھوں گی کیسا اطلس و کمخواب لا کر پہناتے ہو بہن کو" (۴)

اس ناول کے مشرقی کردار مذکورہ مسائل کے تناظر میں تبدیلی اور تغیر سے ہم کنار ہوتے رہتے ہیں۔ ناول نگار نے بڑی خوبی سے ماحول کا کرداروں کے ساتھ اور کرداروں کا ماحول کے ساتھ ربط وارتباط پیدا کیا ہے۔ ناول میں اگر کردار کا ایک انفرادی رخ ہے تو کوئی ایک دوسرے حوالوں سے بھی اجاگر ہوتا ہے اور مسائل اور مصائب کی شناخت کراتا رہتا ہے۔

سلیمہ کا کردار ایک مشرقی بیٹی کا کردار ہے۔ حالات کی بے اعتنائی اس کی جاذبیت اور عصمت کو اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی لیکن ناول میں دکھایا گیا ہے کہ پے بہ پے مایوسیاں اس کردار کے ارادے کو بھی ضعف سے ہم کنار کر دیتی ہیں اور سلیمہ جو اپنی ناموس پر جان دینے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی ہے بالآخر حالات کے سامنے ہتھیار ڈال لیتی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ کردار برائیوں سے لڑتا ہوا کردار ہے۔ جب اسے اپنے چھوٹے بھائی کی معصوم آواز اور محبت بھرا لہجہ محسوس ہوتا ہے تو اس کے اندر کی توانائی لوٹ آتی ہے اور اپنی ذاتی خوشی کے لیے اپنے خاندان کی عزت کو پامال کرنے سے رُک جاتی ہے۔ یہ کردار معاشرے کو یہ درس دیتا ہے کہ خود کو کمزوریوں اور مایوسیوں کی نذر نہیں کرنا ہے تاکہ معاشرے کے چہرے کی آب و تاب برقرار رہ سکے۔ مثلاً:

"اور اسے یوں لگا جیسے وہ سچ مچ زندہ دیوار میں چنی جا رہی ہے۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ دم بھر کو تازہ ہوا میں سانس لینے کی دیوانی خواہش اس میں جاگی۔ سنو میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔ آج ہی۔ نہیں آج نہیں پھر کسی دن۔ مگر میں تو یہاں سے آج ہی جا رہی ہوں۔ کیا؟ ہاں میں آج ہی

تمہارے پڑوس سے جارہی ہوں۔ مگر کیوں۔ وہ کنجری ہے ناتاجو کی ماں۔ وہ میرے پیچھے لگ گئی ہے۔ رپورٹ کرنے کو کہہ رہی ہے۔ رپورٹ کرنے کو کہہ رہی تھی۔۔۔ جو کام ایک ہفتہ بعد کرنا ہے وہ آج ہی کیوں نہ کر ڈالا جائے۔ یہ تو اب طے تھا کہ وہ اس گھر کو، ان لوگوں کو چھوڑ دے گی۔ وہ اپنا وجود ان دیواروں کے حوالے نہیں کرے گی۔ وہ خود کو رفو چچا کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑے گی۔ وہ ان کی طاقت سے خائف نہیں ہو گی۔ بلکہ ان کو اپنی طاقت سے خائف کر دے گی۔ رفو چچا کی بے جا ضد اور ہٹ دھرمی نے مدتوں کی سلگتی ہوئی چنگاری کو اچانک ہی بھڑکتے شعلے میں تبدیل کر دیا تھا۔ اور اس کا سراپا اس آگ میں بھسم ہونے کے لیے بیتاب تھا"(۵)

اس کردار سے وابستہ رضی کا کردار جو استحکام اور عزائم سے عاری ہے محبت کا دعویٰ تو کرتا ہے لیکن دولت پر اپنی محبت کو قربان کر دیتا ہے۔ رضی کے والدین کے کردار بھی سلیمہ کے کردار کے پس منظر میں ڈوبتے ابھرتے ہیں جو انسانیت سے زیادہ مادیت کو ترجیح دے کر ایک انسان کی زندگی اور اس کے خواب و تعبیروں تک کو ویران کر دیتے ہیں۔ یہاں جب سلیمہ کے مرحوم والد کا کردار ابھرتا ہے تو انسانیت اپنی بقا کے لیے ترستی محسوس ہوتی ہے وہ انسان جو اپنا سب کچھ لٹا کر اپنی اولاد کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا چاہتا ہے تا کہ وہ مفید شہری بن سکے، جب موت کے آغوش میں چلا جاتا ہے تو اس کے احسانات اور تمناؤں کو اپنے ہی لوگ خاک میں ملا دیتے ہیں اور اس کی بیٹی سلیمہ کے ساتھ وہ سلوک روا رکھتے ہیں جو دشمنوں سے بھی روا رکھا جاتا۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

"ممانی کے پاس سے دادی بالکل مایوس ہو کر لوٹی تھیں انہوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ابھی اپنے لڑکے کی شادی کا ان کا کوئی خیال نہیں ہے۔ باتوں باتوں میں یہ بھی جتا دیا تھا کہ ان کا یہ ایک ہی تو لڑکا ہے۔ وہ اس کی شادی بڑی دھوم سے کریں گی۔ اور جب تک اپنی ٹکر کا گھر نہ ہو مزا نہیں آتا۔۔۔ خدا کی شان ہے آج وہ اس عورت کی یوں منتیں کر رہی ہیں۔ یا ایک وہ دن تھا جب اس عورت نے اپنا دوپٹہ ان کے قدموں میں ڈال کر کہا تھا۔ آج میری اور میرے دوپٹے کی لاج تمہارے ہاتھ میں ہے اماں۔ اگر تم ہاں کر دو، تو آپا جان (سلیمہ کی ماں) اور بھائی جان دونوں مان جائیں گے"(۶)

غربت کے مارے بسا اوقات جھوٹی شان کو برقرار رکھنے کے لیے اس حد تک کو بھی پار کر لیتے ہیں جو زندگی کے توازن کو بگاڑنے نہیں دیتی اور جو تہذیب کی بقا کے لیے آخری سہارا ہوا کرتی ہے۔

"رضی تو اتنا بزدل تھا کہ اس نے کسی قسم کا احتجاج کئے بغیر ماں کے آگے سر جھکا دیا۔اس کی لغت میں شاید سعادت مندی اور بزدلی دو مترادف الفاظ تھے ہاں اسے دادی پر غصہ ضرور تھا،اگر وہ اس کا بھانڈانہ پھوڑتیں تو ماں کے آگے اسے اتنا شرمندہ نہ ہونا پڑتا۔افشائے راز عشق کی ذلت نہ اٹھانی پڑتی۔۔۔ کتنے بہت سے ڈستے ہوئے خیالات نے ایک دم ہی اس کے ذہن پر یورش کر دی۔ سارے داغ سلگ اٹھے۔ سارے زخم ہرے ہوگئے۔ ساری چوٹیں تازہ ہوگئیں۔ اس کی ممانی نے اس سے کتنا خوفناک انتقام لیا تھا۔ عورت ہو کر عورت کی زندگی اجاڑ دی"(۷)

اس ناول میں نوری کا کردار تعیش اور عیاشی کا نمائندہ ہے۔اس کردار کا پس منظر بھی افلاس ہے۔غریب گھرانے میں جنم لے کر غربت کو سہتے اپنی بہنوں کی ناخوشگوار زندگی کو دیکھتے دیکھتے اس کے اندر ایسا ردعمل جنم لینے لگتا ہے جو اس کے ساتھ ساتھ معاشرے کے لیے بھی خطرے کی گھنٹی بن جاتا ہے۔پہلے مجبوری میں یہ کردار بے راہ روی کو اپنی زندگی بنالیتا ہے اور پھر یہ سلسلہ اس کی زندگی کا تلازمہ بن جاتا ہے۔نوجوان نسل کو بلا تفریق مرد وزن، بے حیائی کی منزل پر لے آنا، اس سے جنسی بد تہذیبیوں کا ارتکاب کروانا اور پھر ان برائیوں کو بنیاد بنا کر لوگوں کو مالی اور نفسیاتی طور پر لوٹنا اس کردار کا شیوا اور سرشت بن جاتی ہے۔کوئی مثبت کام یا کوئی نیک خیال اس کردار کے دل میں اگر بھولے سے بھی سما جاتا ہے تو یہ اس نیکی کا گلہ گھونٹ دیتا ہے اور اپنے حصے کا چراغ روشن کرنے کے بجائے ماحول کی تاریکی میں اضافہ کر دیتا ہے۔نوری نام کی حد تک تو روشن کردار ہے لیکن یہ تاریکیوں کو جنم دیتا رہتا ہے یہاں تک کہ انسان کی معصوم آرزؤں کو فحاشی کے دار پر لٹکا کر زندگی کا خوبصورت چہرہ داغدار کر دیتا ہے۔نوری کا کردار مسلسل سلیمہ کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے۔اچھائی پر اس کے قائم رہنے کو اس کی بیوقوفی ثابت کرتا ہے لیکن یہ کردار آخر میں تمام تر کوششوں کے باوجود سلیمہ کے نیک ارادوں سے ہار جاتا ہے۔جب چھوٹے بھائی کے خواب میں بُڑبُڑانے سے سلیمہ کا ضمیر جاگ اٹھتا ہے تو نوری کی ہر اس سازش سے وہ دوری اختیار کر لیتا ہے جو برائی کو نافذ کرنا چاہتی ہے۔نوری کا کردار بظاہر کسی انجام سے دوچار نہیں ہوتا لیکن سلیمہ کا بر وقت فیصلہ اور نیکی پر قائم رہنا اس کی شکست بن کر سامنے آتا ہے۔مثال ملاحظہ کیجئے۔

"اگر تم میرے خاوند کے ساتھ چلو تو زیادہ اچھا رہے گا۔ ہم تینوں بڑے مزے سے تماشہ دیکھ آئیں گے۔ تمہیں ٹکٹ بھی نہیں لینا پڑے گا۔ میرا آدمی تمہارا ٹکٹ بھی لے گا اور بہت سی کھانے پینے کی چیزیں بھی خرید دے گا۔ میرے ساتھ جو لڑکیاں جاتی ہیں وہ ان کی بہت خاطر کرتا ہے۔ اس کے پاس پیسہ بہت ہے۔۔۔ اب بنیان والی میرے پاس ہے، اب مجھے اس کی کیا ضرورت، میں کہتی ہوں یہ بہت میلا ہو گیا ہے لاؤ اسے دھلوا دوں، تو وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہتا ہے، میں اسے کبھی نہیں دھلواؤں گا۔ اس میں تمہارے پسینے کی خوشبو ہے، اسی لیے تو میں اسے سینے سے لگائے لگائے پھرتا ہوں" (۸)

ناول نگار نے غربت کو موضوع بنا کر یہ تاثر بھی اجاگر کیا ہے کہ اگر ارادہ مضبوط ہو تو غربت کے عواقب نمودار نہیں ہو سکتے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ غربت ہر محاذ پر لڑ نہیں سکتی اور نامساعد حالات کے سامنے ہتھیار پھینک دیا کرتی ہے۔ بہر حال ناول (تنہا اداس لڑکی) میں سلیمہ اپنی تنہائی اور اداسی کے باوصف جیت جاتی ہے اور سہولتوں سے لیس نسوانی کردار بظاہر سب کچھ پا لینے کے باوجود بھی اپنے داغدار چہرے کی نخوست کو چھپانے میں ناکام رہتا ہے۔ ناول نگار نے اس ناول میں نیکی کی جیت اور بدی کی مات دکھائی ہے اور یہ پیغام دیا ہے کہ روشنی کبھی بھی تاریکیوں سے شکست نہیں کھاتی۔ البتہ تاریکی اور روشنی اندھیرے اور اجالے میں تصادم ایک فطری عمل ہے۔ اس تصادم نے ناول میں کئی ایک ضمنی کرداروں کو ابھرنے کا موقع دیا لیکن وہ روشنی اور تاریکی کی جنگ میں اپنی نوعیت اور عمل کے مطابق وہ مقام پاتے ہیں جن کا تذکرہ طولِ کلام کا موجب بنے گا اس لیے انہیں قلم انداز کیا جا رہا ہیں۔ بہر حال "تنہا اداس لڑکی" واقعات و وقوعات کو ہنر ورانہ انداز میں یکجا کیا ہے اس عرق ریزی کو دیکھتے ہوئے یہ بیان اور بھی زیادہ وقیع ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

"ناول اس زمانے کی حقیقی زندگی اور طور طریقوں کی تصویر ہوتی ہے جس میں کہ وہ لکھا گیا" (۹)

یہ ناول موضوعات اور واقعات، کرداروں اور مکالموں کی خوبصورتی سے جنم لے کر زندگی کی سچائی سے قاری کا رشتہ جوڑنے کی کوشش کرتا ہے اور بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی نظر آتا ہے۔ جہاں جہاں انسانی معاشرہ ہے وہاں وہاں اس ناول کے کردار پھیلے ہوئے ہیں اس ناول کا احاطہ زندگی کا احاطہ ہے اور زندگی کا مفہوم سمجھنے والے حق بات کی تفہیم میں کوتاہی نہیں کرتے۔

حوالہ جات:

۱۔ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات،اسلام آباد پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان،۲۰۱۸ء ص ۲۵۰

۲۔مظفر عباس،ڈاکٹر،اردو ناول کا سفر، عوامی کتاب گھر لاہور، س۔ن، ص ۲۰

۳۔سیدہ حنا''تنہا اداس لڑکی''ادارہ ابلاغ،احمد سلمان پبلی کیشنز پشاور س ۱۹۹۱ء ص ۱۳-۱۴

۴۔ایضاً ص ۲۰

۵۔ایضاً ص ۹۲-۹۳

۶۔ایضاً ص ۱۷

۷۔ایضاً ص ۵۰-۵۱

۸۔ایضاً ص ۵۴

۹۔محمد احسن فاروقی،ڈاکٹر،تاریخ ادب، مجلس ترقی ادب لاہور، س ۱۹۸۳ء، ص ۲۰